

# تفسير احمد

سُورَةُ النَّبَاِ  
Ketabton.com

جزء - 30

سوره «النباء» کا تفسیر و ترجمہ

تصنيف: امين الدين « سعیدی - سعيد افغانى »

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سورة النبا

یہ سورت مگہ میں نازل ہوئی ہے ، اس کی چالیس آیتیں ہیں

**مقدمہ:**

قرآن عظیم الشان رب تعالیٰ کی کتاب اور ہمیشہ رہنے والا سب سے بڑا معجزہ ہے ، رب تعالیٰ کا سب سے آخری پیغام پہنچانے والا اور آسمانی کتابوں کا خلاصہ ہے ۔

قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کے نورانی صفحات پر گرد و غبار کی دھول نہیں بیٹھ سکتی ، اور نہ ہی وقت گزرنے کے ساتھ پرانا اور بیکارا ہوگا ، بلکہ ہرگزرتے وقت کے ساتھ اس کے علوم و معارف واضح ہوتے جائیں گے ، قرآن کریم امت اسلامیہ کے لیے ایک پختہ قانون ہے ، اور اسی وجہ سے پوری تاریخ میں دشمنوں نے طرح طرح کی شیطانی سازشوں سے امت اسلامیہ کو اس کی حیات بخش تعلیمات سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے ، اور انسانیت کو سدھارنے والی اس کتاب سے انسان کو الگ تھلگ رکھنے کی سازش کی ہے۔

لیکن ان کی سرتوڑ اور مسلسل کوششوں کے باوجود قرآن کریم تمام تر انقلابات اور تحریکوں اور باطل کے خلاف ڈٹ جانے کا سرچشمہ رہا ، اور اس کی نورانی آیات کی چمک نے وقت کے چمگادڑوں کی آنکھوں کو خیرہ کیا ہے۔ قرآن کریم کی روشنی ہمارے لیے امید کی کرن ہے {إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ} ترجمہ: یہ قرآن وہ راستہ دکھا تا ہے جو سب سے سیدھا ہے ۔

قرآن کریم جتنی روشنی کوئی اور ذریعہ نہیں دے سکتا، جس سے انسانی دل منور ہو جائے ، کوئی اور عمل قرآن کریم کی طرح انسانی اخلاق کو سدھار نہیں سکتا، قرآن عظیم ہمیں صحیح اور صحت مند طرز زندگی سکھا تا ہے، اور صحیح سیدھا راستہ دکھاتا ہے ، "اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا بِالْقُرْآنِ" آمین یا رب العالمین ۔

**محترم قارئین:**

قرآن کریم کا تیسواں پارہ جس کی اکثر سورتیں تقریباً بالاتفاق مکی ہیں، اس میں سب سے اہم مسئلہ جو بیان ہوا ہے وہ قیامت کا مسئلہ ہے، اور قیامت کے

دن انسانی حالات کی تشریح و تفصیل بیان کی گئی ہے، یہ اس لئے کہ انسان کی اصلاح کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ وہ اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ ایک دن حساب کتاب بھی ہے۔

اور ایسی عدالتیں بھی موجود ہیں جن کے قاضی اور جج پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، ایسی عدالت ہے جہاں نہ ظلم ہوگا اور نہ نا انصافی ہوگی، اور نہ ہی کسی غلطی کی گنجائش ہے، نہ وہاں کوئی سفارش اور رشوت کار آمد ہے، اور نہ جھوٹ بولنا ممکن ہے اور نہ ہی کسی بات سے انکار کرنا۔ مطلب یہ کہ وہاں عذاب کے چنگل سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، نجات کا راستہ گناہوں کو چھوڑنے میں ہے۔

ایسی عدالت کے وجود پر ایمان لانا انسان کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، اور سوئی ہوئی روحوں کو جگادیتا ہے، یہ انسانوں میں تقویٰ و عزم اور احساس ذمہ داری کو زندہ کر دیتا ہے، اور اسے اپنے منصب کی پہچان اور اس کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔

کسی ملک اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونے کے بنیادی اسباب دوہی ہوسکتے ہیں:

(1) پولیس اور دیگر اداروں کی کمزوری۔

(2) یا عدلیہ کی کمزوری۔

اگر نگرانی کرنے والے یعنی: پولیس وغیرہ ذمہ داران ہوشیار و تیز نظر ہوں کہ لوگوں کی درست نگرانی کریں، اور مجرموں کے جرائم کی چھان بین کریں، اسی طرح عدلیہ بھی اپنے فرائض بخوبی انجام دے کہ کوئی جرم اور مجرم بغیر سزا کے نہ رہے، ایسے ماحول میں بدعنوانی، سرکشی جرائم اور بغاوتیں کم سے کم ہوجائیں گی۔

جب مادی زندگی اپنے محافظوں اور عدالتوں کے زیر نگرانی ایسی ہو، پھر وہاں انسان کا کردار اور عمل صحیح راہ پر آجاتا ہے، تو اگر ایسی ذات کے وجود پر ایمان لانا جو مبدی ہے، یعنی جس نے پیدا کیا ہے اور جو ہر جگہ اس کے ساتھ ہے (لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ) ذرہ بھر کے اندازے سے کوئی بھی چیز اس کے علم سے مخفی نہیں ہے، (سورہ سبأ- 3)۔

اور جو معادی ہے: یعنی آخرت میں دوبارہ زندہ کرنے والا، اس کے وجود پر ایمان کہ جہاں اعمال کے بارے میں فرمایا: (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۗ) (ترجمہ: جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا) (وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۗ) (ترجمہ: اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا) (سورہ زلزال : 7-8)۔

اللہ کی ان دونوں صفات پر ایمان انسان کو ہر قسم کے گناہ سے اسی طرح روکتا ہے جس طرح مستعد پولیس اور عدلیہ کا خوف انسان کو جرائم سے روکتا ہے، جبکہ اللہ کی نگرانی تو دنیا کے اداروں کی بنسبت اور بھی بہت اعلیٰ ہے، کہ جہاں اچھے اور برے اعمال ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھلائے جائیں گے، بلکہ اس کے سامنے انہیں پیش کیا جائیگا، اللہ تعالیٰ پر اس طرح کا ایمان انسان کو ایسا متقی اور متدین بنادیتا ہے کہ زندگی بھر اسے خیر و بھلائی کے راستے پر چلاتا ہے۔

تیسویں پارہ میں دوسرا محور جو کہ واقعتاً قابل غور و فکر ہے وہ ہے اپنے پیغمبر کی تائید و نصرت، اس مضبوط و فیصلہ کن تائید و نصرت کو آپ سورہ ضحیٰ، سورہ انشراح اور سورہ کوثر سورہ علق اور دیگر بے شمار سورتوں میں دیکھیں گے، ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سورت "الضحیٰ" میں اپنے نبی کی مدد و نصرت کا اعلان فرماتے ہیں، کہ ہرگز اپنے نبی کو تنہا نہیں چھوڑا۔

دوسرا زیر بحث مسئلہ تیسویں پارہ میں جو قابل ذکر ہے، مشرکوں، کافروں اور جھوٹوں کے خلاف رب تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا تذکرہ ہے اور یہ کہ وہ لوگ اپنی منزل تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے، ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مگہ میں بظاہر ضعف کی حالت میں تھے، لیکن ان مگہ سورتوں میں خدا تبارک و تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کو ہر قسم کی تنبیہات اور ڈانٹ ڈپٹ دیتا اور انہیں ڈراتا ہے، ان تنبیہات اور دھمکیوں کی ایک جھلک ہم سورہ ہمزہ میں دیکھتے ہیں (وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۗ) اور سورہ مطفین میں دیکھیں: (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۗ) (ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے) نیز سورہ لہب میں (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۗ) (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو) یا سورہ علق میں دیکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں: (كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۗ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۗ) (ترجمہ: دیکھو اگر وہ باز نہ آئے گا، تو ہم (اس کے) پیشانی کی بال پکڑ کر گھسیٹیں

گے) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ (ترجمہ: یعنی اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال)۔

لہذا یہ سورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے ذہنی اور روحانی تقویت کا سب سے اہم ذریعہ ہیں، مگہ کے اس سخت ماحول میں یہ مؤمنین کے لیے امن اور روحانی تقویت کا باعث بن گئیں، جو کہ ہمہ وقت ہر زمانہ و مکان میں ان آیات اور سورتوں کی تلاوت میں مشغول رہتے۔

لہذا تیسویں پارہ کی سورتوں کا مقصد بھی توحید اور قیامت کے مراحل کے بارے میں یقین کو مضبوط کرنے، اور روحانی و معنوی بنیاد کی رُو سے انسان کے تعلق کو خدا کے ساتھ تقویت پہنچانے میں یہ سورتیں نہایت مفید و مؤثر ہیں۔

ہم امید رکھتے ہیں کہ ان سورتوں کی تفسیر و ترجمہ جو علمی و تحقیقاتی مقالوں کی شکل میں تفسیر احمد کے عنوان کے تحت تیسویں پارہ کی تفسیر مرتب کر کے آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، یہ تفسیر ان شاء اللہ آپ کو ایک بہترین موقع مہیا کرے گی کہ آپ معزز و محترم حضرات ان قرآنی معلومات سے مستفید ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ (رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً. ﴿١٨﴾ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿١٩﴾) ترجمہ: اے پروردگار جب تونے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دیجیو اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے، (آل عمران: 8)۔

### وجہ تسمیہ:

سورہ عمّ مکہ میں نازل ہوئی ہے، اور سورہ "نبأ" سے موسوم ہے کیونکہ رب تعالیٰ کے اس فرمان (عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٩﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ﴿٢٠﴾) سے اس کا آغاز ہوا ہے، کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے، اور سورہ "عمّ" اور "نبأ" سے مشہور ہے۔

اس سورت کی مبارک آیات کا مرکزی محور دنیا پر اس حاکم کی حکیمانہ نظام کی دلیل اور جزا و سزا کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے قیامت کا برپا ہونا حکمت الہی کا ضروری تقاضا ہے، اس کے بغیر انسان کے وجود کو عبث اور بے مقصد سمجھا جاتا ہے۔

اس سورت کا عمومی خلاصہ قیامت کے اعتقاد کے ثبوت کے گرد گھومتا ہے ، جس کا مشرکین عرصہ دراز سے انکار کر رہے تھے ۔

**سورة النبأ کا سورت مرسلات کے ساتھ ربط و مناسبت :**

**الف:** دونوں سورتوں کی مماثلت دوبارہ زندہ ہونے اور اس کے دلائل کے اثبات، اور رب تعالیٰ کی قدرت کے بیان میں اور کافروں، جھوٹوں، اور منکروں کی مذمت کے بارے میں ہے، (مرسلات: 16 - 20 - 25)، (نبأ: 6 تا 16)

**ب:** جنت اور جہنم کے بیان میں دونوں سورتوں کی مشترکات ، اور پرہیز گاروں کے انعامات ، اور کافروں کے انجام ، اور قیامت کے بیان میں ۔

**ج:** ان آیات کی وضاحت اور تفصیل جو پچھلی سورت میں اجما لاً ذکر ہوا ہے ، (مرسلات: 12 تا 14)، (نبأ: 17 سے آخر تک)

**سورة النبأ کی آیات ، الفاظ اور حروف کی تعداد :**

سورة النبأ قرآن کریم کے تیسویں پارہ کا آغاز ہے ، یہ مکی سورتوں میں سے ہے جس کے دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

اور ایک سو چوہتر (۱۷۴) الفاظ ہیں ، اٹھ سو ایک حرف ہیں ، اور تین سو تریسٹھ نقطے ہیں، (واضح رہے کہ قرآن پاک کی سورتوں میں حروف کی گنتی کے حوالے سے علماء کی آراء مختلف ہیں ، اس موضوع کی تفصیل کے لیے آپ سورة الطور تفسیر احمد کی طرف رجوع کر سکتے ہیں )

اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ :

اس سورت کا نام دوسری آیت میں دی گئی تعبیر و تشریح کی وجہ سے ہے۔

اور اس سورت کو پہلی آیت کی مناسبت سے "سورہ عمّ" بھی کہا جاتا ہے ۔

**سورة النبأ کا سبب نزول :**

عالم اسلام کے مشہور و معروف مفسر و مؤرخ محمد بن جریر طبری اور مسلمانوں کے معروف محدث ابن ابی حاتم حسن سے روایت کرتے ہیں کہ: پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے اور مکہ والوں کو رب تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینے لگے، اور مرنے کے

بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کے بارے میں بتایا، اور ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنا شروع کی تو کفار مکہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ محمد کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ کیا چیز اپنے ساتھ لایا ہے؟ پھر رب نے یہ آیت نازل فرمائی، (عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ) (ترجمہ: کفار) کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ (عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ) (ترجمہ: ایک عظیم واقعہ اور حادثہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں) اور ان کے سوالات کا جواب دے دیا۔

### سورة النبا کے مشتملات:

یہ کہنا ضروری ہے کہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورتوں کا آغاز دلکش باتوں سے کیا ہے، اور پھر اصل موضوع میں داخل ہوتا ہے، سورة النبأ میں بھی اللہ تعالیٰ کافروں کے سوال سے اس کا آغاز فرماتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ: سورة النبا تیسویں پارے کا نچوڑ ہے، لہذا اگر انسان ان علوم کو سمجھ لے درست طریقے سے جس کا ذکر سورة النبا میں ہوا ہے تو تیسویں پارے کا خلاصہ بخوبی جان لے گا۔

لہذا اس سورت کے مشتملات کا ذیل میں دئیے گئے چند نکات میں خلاصہ بیان کیا جا سکتا ہے:

۱- اس سورہ شریف کا آغاز قیامت، حشر اور جزا و سزا کے احوال سے ہوا ہے، ایک ایسا موضوع جس نے مکہ کے بہت سے کافروں کے ذہنوں پر قبضہ کر رکھا تھا، البتہ مکہ کے لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے تھے، تصدیق اور تکذیب کرنے والے (عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ) (عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ)۔

۲- پھر زمین و آسمان اور انسانی زندگی میں خدا کی قدرت کے مظاہر کو وقوع قیامت اور حشر کے لیے بطور دلیل پیش کرنا۔

۳- اس کے بعد مسئلہ بعثت کا ذکر کیا اور اس کا وقت اور تاریخ بتائی اور فرمایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اور حساب کے لیے اول و آخر کو جمع کرے گا، (اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا) (يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا)۔

4- اس کے بعد جہنم اور باغی اور سرکشوں کے ہولناک عذاب کے انواع کو بیان فرمایا جس کو عظیم رب نے کفار کے واسطے تیار کیا ہے ، ( اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًاۙ ۲۱۱ لِّلطَّٰغِيْنَ مَاۤ اَبَّآۙ ۲۱۲ لِّبٰئِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًاۙ ۲۱۳ )

5- کفار پر بحث کرنے کے بعد متقیوں پر بحث کرتے ہوئے ان کے لئے تیار کی گئی نعمتوں کی اقسام اور جنت کی نعمتیں بیان کی ہیں، ( اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفٰرَۙ ۲۱۱ حٰدٰثٰتٍ وَّ اَعْنَآبًاۙ ۲۱۲ وَّ كَوَٰعِبَ اٰثَرًاۙ ۲۱۳ وَّ كَاسًا دٰبِقًاۙ ۲۱۴ )

6- آخر میں قریب الوقوع عذاب سے ڈرانا اور پھر کافروں کے عبرت ناک انجام کے بیان کے ساتھ سورت کا اختتام ہوتا ہے۔

### ترجمہ و تفسیر سورۃ النبا

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَۙ ۱۰۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِۙ ۱۰۲ الَّذِيۙ بُعِثَ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَۙ ۱۰۳ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَۙ ۱۰۴  
 ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَۙ ۱۰۵ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًاۙ ۱۰۶ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًاۙ ۱۰۷ وَخَلَقْنٰكُمْ  
 اَزْوَاجًاۙ ۱۰۸ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًاۙ ۱۰۹ وَجَعَلْنَا النَّيْلَ لِبَاسًاۙ ۱۱۰ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ  
 مَعَاشًاۙ ۱۱۱ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًاۙ ۱۱۲ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَاجِرًاۙ ۱۱۳ وَاَنْزَلْنَا مِنْ  
 الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًاۙ ۱۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًاۙ ۱۱۵ وَجَنَّتِ الْاَفَاقُۙ ۱۱۶ اِنَّ يَوْمَ  
 الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًاۙ ۱۱۷ يَوْمَ يَنْفَعُ فِي الصُّورِ فِتْنٰتُوْنَ اَفْوَاجًاۙ ۱۱۸ وَفُتِحَتِ السَّمَآءُۙ فَكَانَتْ  
 اَبْوَابًاۙ ۱۱۹ وَسِيْرَتِ الْجِبَالِۙ فَكَانَتْ سَرَابًاۙ ۱۲۰ لِّلطَّٰغِيْنَ مَاۤ اَبَّآۙ ۱۲۱ لِّبٰئِيْنَ فِيْهَا  
 اَحْقَابًاۙ ۱۲۲ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًاۙ ۱۲۳ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَاقًاۙ ۱۲۴ جَزَاءً  
 وَّفَآفِقًاۙ ۱۲۵ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًاۙ ۱۲۶ وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا كِذٰبًاۙ ۱۲۷ وَكُلَّ شَيْءٍ  
 اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًاۙ ۱۲۸ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّرِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًاۙ ۱۲۹ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفٰرَۙ ۱۳۰ حٰدٰثٰتٍ  
 وَّ اَعْنَآبًاۙ ۱۳۱ وَّ كَوَٰعِبَ اٰثَرًاۙ ۱۳۲ وَّ كَاسًا دٰبِقًاۙ ۱۳۳ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَعْوًا وَّلَا  
 كِذْبًاۙ ۱۳۴ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاًۙ حِسَابًاۙ ۱۳۵ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنُ  
 لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًاۙ ۱۳۶ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّاۙ ۱۳۷ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ  
 اٰذِنَ لَهٗ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًاۙ ۱۳۸ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّۙ ۱۳۹ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهٖ  
 مَآبًاۙ ۱۴۰ اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًاۙ ۱۴۱ خ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدُهٗ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ  
 يٰلَيْتَنِيۙ كُنْتُ تُرَابًاۙ ۱۴۲

محترم قارئین:

آیات مبارکہ (1 تا 30) زندہ ہونے کی خبر کے بارے میں ہیں ، اس کے دلائل کے اثبات ، قیامت کے دن کی خصوصیات اور اس کی نشانیاں ، اور عذاب کی قسمیں زیر بحث آئی ہیں ،

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ؟	(کفار) کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ (۱)
-----------------------	--

«عَمَّ» دو حرف (عَنْ اور مَا) سے مرکب ہے، ما استفہام کیلئے آتا ہے، اس ترکیب میں الف "ما" سے ساقط ہو گیا ہے، اس کا ترجمہ ہے کہ: وہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں؟ پھر خود ہی جواب دے دیا ہے کہ: عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ (بڑے خبر کے بارے میں)

"يَتَسَاءَلُونَ" ایک دوسرے سے پوچتے ہیں، جب مکے کے کفار و مشرکین کو مبدا اور معاد، وحی اور نبوت، قیامت اور حساب و کتاب، جنت اور دوزخ جیسے نئے نئے موضوعات کا سامنا کرنا پڑا، تو کبھی شک اور تردد کی نگاہ سے، اور کبھی مذاق کے طور پر، اور کبھی استہزاء کر کے ان موضوعات کے بارے میں ایک دوسرے سے بعض سوالات کرتے تھے، یہاں پر ان کا سوال یہ تھا کہ: کیا سچ میں قیامت کا وجود ہے؟

عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ؟	ایک عظیم واقعہ اور حادثہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں (۲)
-----------------------------	--

نبا: مفسرین نے اس لفظ کی متعدد تفسیریں کی ہیں مثلاً: قیامت، قرآن، دین کے اصولی عقائد، لیکن مجموعہ آیات میں موجود قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس کی تفسیر قیامت پر سب سے اصح ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ خبر عظیم قیامت کے بارے میں کچھ سوال و جواب کرتے ہیں، اور اس سے متعلق باہمی اختلاف رکھتے ہیں۔

الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ؟	کہ وہ خود اس میں اختلاف کرتے ہیں (۳)
-----------------------------------	--------------------------------------

«مُخْتَلِفُونَ» اختلاف کرنے والے، کچھ لوگ اسے قبول کرتے ہیں، اور کچھ اس کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن عظیم الشان کے نزول کا آغاز ہوا تو کفار مکہ اپنی محفلوں اور مجالس

میں بیٹھ کر قیاس آرائیاں کرتے تھے، کہ قرآن کریم میں قیامت کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، گویا کہ اہل مکہ کے نزدیک وقوع قیامت ناممکنات میں سے تھا، اس لیے قیامت کے متعلق بحث و مباحثے شد و مد کے ساتھ جاری رہتے تھے۔

کچھ لوگ اس کی تصدیق کرتے تھے، اور بعض لوگ اس کی تکذیب پر دلائل دیتے تھے، اس لئے اس سورت کی ابتدا میں ان کی اس کیفیت و حالت کو بیان فرمایا، اور پھر اس کے وقوع پذیر ہونے کو بیان فرمایا، اور وہ لوگ اس کے آنے کی متعلق جو اشکالات رکھتے تھے ان کا جواب دیا۔

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ: کفار کی یہ بحث و مباحثے اور سوال و جواب اس کے واقعیت کو جاننے کی تحقیق کے لیے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ بطور استہزا و تمسخر کے تھا، قرآن کریم نے اس کے جواب میں اس جملہ کو تاکیداً دوبارہ تکرار کے ساتھ ذکر کیا۔

کَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٤﴾	ایسا نہیں ہے جس طرح کے مشرکین سمجھتے ہیں "عنقریب وہ جان لینگے" اس امر کی حقیقت کو (۴)
--------------------------	---

ایسا نہیں ہے، جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں، جلد ہی انہیں اس خبر اور اس معاملے کی حقیقت کا پتہ چل جائے گا، اور وہ اپنے اعمال و افعال کی نحوست کو سمجھ لیں گے، جب اہل قبور بیدار ہوں گے، سینوں میں جو کچھ چھپا ہوا ہے ظاہر ہو جائیگا، پردے ہٹ جائیں گے، اور پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی، یہ کفار کے لیے ایک سخت تنبیہ، ڈانٹ ڈپٹ، اور سزا ہے، جسے نئے سرے سے مبالغہ اور تنبیہ میں شدید سختی اختیار کرتے ہوئے سزا اور وعید کو اس چونکا دینے والے تنبیہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥﴾	پھر بھی ایسا نہیں ہے، "بہت جلد جان لینگے" (۵)
--------------------------------	---

یعنی: ان کے لیے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ قرآن یا قیامت کے بارے میں اختلاف کریں، اس لیے کہ قرآن کریم اور اس دین مبین کے عقائد حق

پڑھیں ؛ لہذا جولوگ ان کا انکار کرتے ہیں بہت جلد اپنی تکذیب کا انجام دیکھ لینگے، یعنی وہ دیکھیں گے کہ ان پر کیا عذاب اور ذلت آتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب چیزوں اور حیرت انگیز مظاہر کی تخلیق پر اپنی قدرت عظیم کے چند مظاہر کا ذکر کیا ہے، جو قیامت کے دن پر اس کی قدرت کی دلیل ہے، اور ان عجائب و مظاہر کو اللہ تعالیٰ اس طرح شمار کر کے بیان فرماتے ہیں، "کلاً" یہ تکرار تاکید کیلئے ہے، ہر گز نہیں، ایسا نہیں ہے "سَيَعْلَمُونَ" ضرور جان لیں گے، اس سے مراد دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اور قبروں سے باہر آنا ہے (ملاحظہ کریں "المصحف المیسر")۔

کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا؟ (۶)	أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا ۝
---	-------------------------------------

مہاد: مہد کے مادہ سے ہے، نیچے بچھانے والے گڈے یا بچے کے پنگھوڑے اور جھولے کو کہتے ہیں، اور جن جگہوں کو بچوں کا مہد کہا جاتا ہے وہ بھی اسی لفظ سے لیے گئے ہیں، زمین ایک ماں کی مانند ہے جس میں معلوم اور مقسوم رزق و روزی جمع کی گئی ہے، اور یہ آفاق کی نشانیوں میں سے ہے، دوسرے لحاظ سے یہ حکمت کی طرف دعوت ہے، یہ انسانوں کی سوچ کو مخاطب کرتا ہے کہ تم دیکھو کیا ہم نے زمین کو تمہارا گہوارہ اور امن کی جگہ نہیں بنایا؟ اس میں زمین کی گُروی ہونے کی طرف اشارہ ہے، اگر زمین غیر گُروی ہوتی تو یہ امن و سکون کی جگہ نہ رہتی، اور دن رات کے معاملے میں بہت سے مسائل پیدا ہوتے، کبھی انسان نعمتوں میں مشغول اور اس سے بے خبر رہتے ہیں، رب تعالیٰ ہمیں نعمتوں کی یاد دلاتا ہے تاکہ ہم شکر ادا کریں، اور شیطان ملعون کے بہکاوے میں آکر ہم نعمتوں کو نہ بھولیں، کیونکہ شیطان ہم سے نعمتوں کو بھلا دیتا ہے اور جو کچھ ہمارے پاس نہیں ہے اس کی آرزوئیں دلاتا ہے تاکہ ہم موجودہ نعمتوں پر راضی اور شکر گزار نہ ہوں۔

اور پہاڑوں کو میخیں (۷)	وَالْجِبَالِ أَوْتَادًا ۝
-------------------------	---------------------------

پہاڑوں کو زمین کیلئے میخیں بنادیا ہے تاکہ آرام پکڑ لے اور نہ ہلے، "أَوْتَادًا" وہ میخیں جن سے زمین مستحکم رہتی ہے، جیسے خیموں کو میخوں کے ذریعہ مضبوط کیا جاتا ہے، جی ہاں بالکل! رب تعالیٰ نے پہاڑوں کو ایک مضبوط اندازے کے ساتھ زمین میں پھیلا دیا ہے، اور اس کے درمیان میں

اور چاروں کناروں پر ٹھیک طریقے سے اور حسن تدبیر کے ساتھ مستقر کیا ہے ، "التسهیل" میں لکھا ہے کہ پہاڑوں کو میخوں سے تشبیہ دی ہے ؛ اس لیے کہ زمین کی حفاظت کرتے ہیں اور لرزنے نہیں دیتے (التسهیل : 4/173).

وَحَلَقْنَاكُمْ أَرْوَاجًا ۝ اور تم کو ہم نے جوڑے بنایا (۸)

عورت کو دانا حساس طبیعت اور بہت زیادہ مہربان بنایا تاکہ وہ تعلیم و تربیت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر اس کو بام کمال تک پہنچا دے ۔

خدانے عورت کو جو جمال الہی کا مظہر ہے پیدا کیا اور اسے آرام و سکون کا ہم پلہ قرار دیا، تاکہ گھر اور خاندان کے لوگوں کو اپنی ہمدردی و مہربانی کے سایہ میں لائے ، کیونکہ مہربانی اور محبت زندگی کی بقا کا ذریعہ ہے۔

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ اور تمہاری نیند کو تمہارے آرام و راحت کا ذریعہ بنایا (۹)

طبیعی مسائل میں سے ایک مسئلہ نیند ہے نیند انسانی زندگی میں بڑی اہمیت کی حامل ہے ، اگر کسی بھی وجہ سے انسان کو نیند نہ آئے تو ممکن ہے اس کا ذہنی توازن خراب ہو جائے ، ہر حالت میں انسان کو طبیعتی طور پر نیند کی اشد ضرورت ہے ، بلکہ نیند کا نہ آنا انسان کے قلب کے رُک جانے اور موت واقع ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔

اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ انسان بھوک اور پیاس سے نہیں مرتا ، لیکن بے خوابی کی وجہ سے مر سکتا ہے ، اس وجہ سے رب تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت نیند ہے ، بہترین نیند وہ ہے جو سکون والی جگہ میں ہو ، اور سونے کی جگہ میں روشنی کم سے کم ہو۔

اس لحاظ سے قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے رات دن کی گردش اور آنے جانے کو بیان کرتا ہے ، کہ استراحت اور کامل آرام کا موقع انسان کو میسر آتا ہے ، اور دن میں تلاش رزق و روزی اور کام کے مواقع فراہم کرتا ہے ۔

وَجَعَلْنَا الْيَلَّ لِبَاسًا ۝ اور بنایا ہم نے رات کو اوڑھنا

قرآن کریم نیند کی حقیقت کو جسم سے خروج روح انسانی سے تعبیر کرتا ہے ، اور کہتا ہے کہ :

(وَبُؤَالَّذِي يَتَّوْفِكُمْ بِاللَّيْلِ) خداتعالی وہ ذات ہے جو رات کو تمہیں موت دیتا ہے . (سورہ انعام آیہ: 60) نیز فرماتا ہے: (اللَّهُ يَتَّوْفَى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا) ﴿فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ﴿٤٢﴾ )

ترجمہ: خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحوں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (انکی روحوں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم ہو چکا ہوتا ہے ان کو روک رکھتا ہے، اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے، جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں (سورہ زمر آیت: 42)۔

ان آیات میں اور بالخصوص آخری آیت میں موت کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، قرآن کے تجزیہ کے مطابق موت اور نیند ایک ہی چیز ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ موت اور نیند کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کی جان مکمل طور پر انسانی جسم سے باہر نکل جائے، اس لحاظ سے نیند کی حالت میں بدن اور روح کے درمیان جو تعلق ہے وہ بھی کسی حد تک ختم ہو جاتا ہے، موت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جان کو جسم سے نکال کر دوسری جگہ لے جاتا ہے، جو کہ انسانی جسم سے باہر اور ایسی جگہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے پاس کا نام دیتا ہے، البتہ موت اور نیند کے درمیان فرق یہ ہے کہ موت کی حالت میں جان اور جسم کا رابطہ مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے، ہر قسم کا تعلق و رابطہ بدن اور روح کے درمیان میں سے حذف ہو جاتا ہے۔

اس حالت میں انسان کے بدن و جان میں کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، اور جب روح انسانی جسم سے الگ ہو جاتی ہے، تو دوبارہ پلٹنے کی اجازت نہیں پاتی، جہاں گئی ہے وہاں پر اس کو روک لیا جاتا ہے۔

لیکن نیند اس طرح ہے کہ یہ رابطہ دوبارہ مکمل طور پر بحال ہو جاتا ہے، اور جان کو بدن کی طرف بھیجا جاتا ہے، تاکہ انسانی حیات کی سرگرمیوں کی رہنمائی کرتی رہے۔

قرآن کریم ہر نیند کو موت کہتا ہے کیونکہ اس میں روح قبض ہوتی ہے، البتہ اس فرق کے ساتھ کہ موت کی حالت میں روح کو روک لیا جاتا

ہے، جبکہ نیند میں روح کو واپس کیاجاتا ہے ، تاکہ مقررہ وقت تک جسم کی رہنمائی کرے۔

اس اعتبار سے نیند کی حقیقت کو موت کی طرح روح کا بدن سے خارج ہونا کھاجا سکتا ہے، اس مناسبت سے نیند ایسی موت ہے جس کا دوام نہیں ہوتا، اور روح کے جسم میں دوبارہ آنے سے آدمی بیدار ہوجاتا ہے۔

اس وجہ سے جاگ جانا روح کا بدن کی طرف دوبارہ واپسی ہے، جو بندہ نیند میں ہو وہ کسی قسم کا اختیار اور تسلط اپنے جسم پر نہیں رکھتا، اور روح اور جسم میں وہ رابطہ و تعلق نہیں رہتا، جو بیداری کی حالت میں ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ روح اور جسم کے درمیان تعلق اندرونی نہیں، بلکہ بیرونی ہے، یعنی جسم اور روح دو الگ الگ حیثیتیں رکھتی ہیں، جیسے کوئی شخص باہر سے کسی چیز یا جسم کی رہنمائی کرے۔

اور بنایا ہم نے دن کو معیشت کے واسطے	وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾
--------------------------------------	--------------------------------------

دن قرآن کریم میں ان اہم ترین مواضع میں سے ہے جس پر پروردگار باعظمت نے دو سورتوں میں قسم کھائی ہے۔

(1) سورة الشمس کی آیت "3" وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ﴿۱﴾ قسم ہے دن کی جب اس جہاں کو روشن کر دے۔

(2) سورة الليل کی آیت "۲" (وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ﴿۲﴾) قسم ہے دن کی جب اپنے ظہور سے دنیا میں اجالا کر دے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ نور اور روشنی پر ربّ تعالیٰ کی قسم کھانے کا مقصد انسان کو اس کے بے شمار اور اہم فوائد کی طرف متوجہ کرنا ہے، تاکہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس روشنی کے قدر کریں۔

دن پر قسم کھانا یہ بتاتا ہے کہ دن میں رب تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں، اگر ہمیشہ اندھیرا ہوتا تو خدا تعالیٰ کی مخلوق کیلئے رزق کی تلاش مشکل ہوجاتی، اگر ہمیشہ دن ہوتا تو پھر آرام و سکون اور راحت سے محروم ہوجاتے، اس لئے دو سورتوں (اللیل والشمس) میں دن رات کے

موضوعات تکرار کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حکمت کے لحاظ سے ان دونوں کی بہت بڑی اہمیت ہے ۔

رب تعالیٰ کا قسم کھانا قرآن مجید کے بیان کردہ اہم موضوعات میں سے ہے ۔

سورہ (الشمس اور اللیل) اس کے متعلق تفصیلی بحث اپنے مقام پر ہوگی، یہاں میں مختصرًا عرض کرنا چاہتا ہوں۔

جو سورتیں قرآن عظیم الشان میں قسم سے شروع ہوئی ہیں ان کی اپنی ایک حیثیت ہے ، مگر سوال یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے قسم کیوں کھائی ہے؟ اور یہ کہ طبیعی اشیاء کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟

ہم جب رب تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں ، کہتے ہیں کہ قسم ہے خدا کی ، تو ہمارا مقصد کسی کو یقین دلانا ہوتا ہے ، مگر خدا جل جلالہ کیوں قسم کھاتا ہے ؟ رب کو تو قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے ۔

مفسرین اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ قسم والے الفاظ اکثر و بیشتر مکی سورتوں میں نازل ہوئے ہیں ، یہ سورتیں ایسی فضاء میں نازل ہوئی ہیں کہ قرآن کریم جن افراد سے مخاطب ہے وہ لوگ قرآن کا انکار کرنا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ کلام الہی نہیں ہے ، اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر نہیں ہے ، اس لیے کہ رب تعالیٰ بشر سے اپنا رابطہ نہیں جوڑتا، انسان اس وقت قسم کھاتا ہے جب منکر آدمی سے سامنا ہو جائے ، ورنہ تو ہمیں قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ہم ایسے ہی اپنی بات کر لیتے ہیں قسم نہیں کھاتے ، ہم اس وقت قسم کھاتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ سامنے والا بندہ ہماری بات پر یقین نہیں رکھتا، یا ہماری بات کا انکار کرتا ہے ، یا یہ کہ ہماری بات کو سرے سے اہمیت ہی نہیں دیتا، تو قرآن کریم نازل ہوا ہے اور اترا ہے ہماری عقل و فکر کو مدنظر رکھ کر ، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام عظیم مخاطبین کی سمجھ بوجھ کی سطح کے مطابق اتارا ، اس لئے قرآن کریم چاہتا ہے کہ اپنے مخاطبین سے رابطہ برقرار رکھے ، اور انہیں اپنے زیر اثر رکھے ، اور ان کے انکار و استبعاد جو کہ وہ کہتے ہیں خدا بشر سے رابطہ نہیں جوڑتا ختم کر دے ، اس وجہ سے خدا تعالیٰ قسم کھا تا ہے ، قرآن کریم میں رب تعالیٰ کے قسم کھانے کی وجوہات یہی ہیں۔

اور بنائے ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان (جو کہ اپنی خلقت کے اعتبار سے بہت مضبوط ہیں	وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۱۳۱
---	---

ہم نے تمہارے سر کے اوپر آسمان کو ایسا بنایا کہ اس کی تعمیر میں کوئی کمی اور عیب نہیں ہے ، "سَبْعًا" سات ، یہ عدد تکثیر کے لیے ہے ، جو آسمان کے بہت سے دائروں اور کائنات کے بہت سے نظاموں اور کہکشاؤں کا مجموعہ ہے جن کا ایک مستحکم اور بڑا ڈھانچہ ہے ، یا اس سے مراد ایک حد ہے ، لیکن ہم جو ستاروں میں دیکھتے ہیں ان کا تعلق آسمان اول سے ہے جبکہ اس سے باہر چھ آسمان اور ہیں جو بشر کے علم سے باہر اور اس سے اوپر ہیں (ملاحظہ کریں : صافات:6، فُصِّلَتْ:12)۔

لفظ "شداد" : "محکم اور مضبوط" اسے اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے کہ اس کی سر حدیں اتنی مضبوط ہیں کہ ان میں کوئی تبدیلی یا کوئی دوسرا تغیر واقع نہیں ہوگا، ان ان گنت ستاروں اور سیاروں میں سے کوئی بھی ان حدود کو عبور کر کے دوسروں سے ٹکرا کر آپ کے زمین پر نہیں گرے گا ، جیسا کہ سورہ انبیا ء کی آیت "32" میں فرمایا : (وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفًّا مَّحْفُوظًا ۱۳۲) وَبِمُ عَنِ آيَتِهَا مُعْرَضُونَ ۳۲) ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

اور بنایا ہم نے ایک چراغ چمکتا ہوا (اس سے مراد سورج ہے)	وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَبَاجًا ۱۳۳
---	-----------------------------------

اس میں مستقل گرمی اور ہمیشہ کی روشنی ہے ، ایک خاص حساب و ترتیب سے حرکت کرتا ہے اور حکمت کے تحت روشنی دیتا ہے ، اور اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کے ساتھ طلوع ہوتا ہے ، نہ اس کی رفتار اور حرکت میں کوئی خلل ہے ، اور نہ طلوع و غروب میں بے ترتیبی ہے ، مفسرین کہتے ہیں کہ: اس کی روشنی بہت تیز دہکتی ہوئی اور بھڑکتی ہوئی ہے۔

اور اتارا ہم نے نچڑنے والے بادل سے پانی کا ریلا	وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۱۳۴
---	---

الْمُعْصِرَاتِ: جمع مُعْصِر ، وہ بادل جس کے برسنے کا وقت آپہنچا ہو ، جب بادل ایک دوسرے کے اوپر چڑھتے ہیں تو ان کا ایسا نظام بن جاتا ہے کہ خود کو دباتے ہیں جس کے نتیجے میں بارش برستی ہے ، (تفسیر: نمونہ)

ثَجَّاجًا: بہت زیادہ برسنے والا ، اور گرنے والا ، پے در پے برسنا (تفسیر نور: ترجمہ معانی قرآن)۔

## بادل کا ذکر قرآن میں

قرآن عظیم الشان نے بادل کے لیے مختلف الفاظ ذکر کیے ہیں جن میں چند حسب ذیل ہیں:

**1- سحب:** "سحب" سے کھینچنے کے معنی میں ہے ، بادل کو سحب کہتے ہیں، اس لئے کہ آسمان میں ہوا کے ذریعہ اسے کھینچا جاتا ہے ، یا اس وجہ سے کہ پانی کو اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے لیجاتا ہے ، سحب بادل کا مطلق نام ہے ، برسنے والا بادل ہویا نہ برسنے والا (مفردات ص: 399 سَحَب) یہ لفظ (9) نو مرتبہ قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے ، (البقرة آیت: 164) (الاعراف آیت: 57) ، (رعد آیت: 12) ، (نور آیت: 40) (نمل آیت: 88) ، (روم آیت: 48) ، (فاطر آیت: 44)۔

**2- غمام:** غم سے ہے کسی چیز کو ڈھانپنے کے معنی میں ہے ، بادل کو غمام اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سورج کی روشنی اور آسمان کو ڈھانپ لیتا ہے ، (مفردات ص: 613) "غم" یہ کلمہ قرآن کریم میں چار مرتبہ آیا ہے ، (بقرہ آیات: 57 و 210) ، (اعراف : 160) ، (فرقان آیت: 25)۔

**3- عارض:** عرض سے ہے کسی چیز کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں ، اس لئے بادل کو عارض کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کی نظروں کے سامنے ظاہر و آشکار ہوتا ہے ، یہ کلمہ دو جگہ آیا ہے (احقاف آیت: 24 – 46)۔

**4- ظلہ:** "ظل" سے ہے ، سایہ کا معنی ہے ، اور سایہ رکھنے والے بادلوں کو کہا جاتا ہے ، (مفردات صفحہ: 536 "ظل")۔

قرآن کریم میں یہ لفظ عذاب لانے والے بادلوں کیلئے استعمال ہوا ہے ، یہ لفظ دوبار مفرد کے طور پر آیا ہے ، (اعراف آیت: 171) ، (شعراء: 189) ، اور ایک بار جمع کے طور پر بقرہ کی (آیت: 210) میں آیا ہے۔

**5- "حاملات" حمل سے ہے بادل کو حاملات اس لئے کہا جاتا ہے کہ اپنے ساتھ پانی اٹھاتا ہے، (مفردات ص: 257) حمل: یہ لفظ ایک بار سورہ ذاریات آیت: 51 میں آیا ہے۔**

**6- معصرات:** عصر سے بمعنی نچوڑنے کے ہے، (التحقیق، ج-8 ص: 146 عصر) اس سے مراد بارش والے بادل ہیں، ان بادلوں کو معصرات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بارش برسنے کے دوران ہوا ان بادلوں کو نچوڑتی ہے، بعض لوگوں کی رائے کے مطابق مُعصر اعصار سے ہے، جو کہ طوفان کے معنی میں ہے، اور ان بادلوں کو کہا جاتا ہے جو طوفان کے ساتھ آجائیں، (مفردات ص: 569) عصر پانی کے بڑے بڑے قطروں اور موسلا دھار بارش کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور "ثَجَّاجًا" والی صفت (فراوان اور پے درپے کے معنی میں ہے) یہ صفت قرآن کریم نے اس قسم کی بارشوں کیلئے استعمال کی ہے کہ جن کو اس طرح بادل لے آتے ہیں، یہ لفظ ایک ہی بار ذکر ہوا ہے، آیت (14 سورہ نبا)۔

**7- مزن:** چمکدار، روشن اور پانی والے بادل کو کہتے ہیں، مفردات ص: 766 (مزن). (القاموس المحيط جلد 2- ص: 1621 مزن) یہ کلمہ صرف ایک بار سورہ واقعہ آیت: 69 میں ذکر ہوا ہے۔

**8- صَوَّب:** اس کا معنی گرنا ہے، بادل کے علاوہ بارش پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، (مقاییس جلد 3 صفحہ: 317 صوب) بعض نے اس کو بارش والے بادل کہا ہے، یہ لفظ ایک بار سورہ بقرہ آیت: 19 میں ذکر ہوا ہے۔

**9- سماء:** "سمو" سے ہے رفعت و بلندی کے معنی میں ہے یعنی ہر چیز سے اوپر، اس کا اطلاق ان بادلوں پر ہوتا ہے، جو انسان پر سایہ فگن ہوتے ہیں، (الصاح، جلد 6، صفحہ 2382 سمو)۔

بعض اس کا اطلاق بادل پر مجازاً کرتے ہیں اور بعض حقیقی طور پر (مقاییس ج 3 ص: 98) "سمو" بعض کے مطابق آسمان مقصود ہے، سورہ بقرہ کی آیت: 22) میں اس کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔

تاکہ نکالیں ہم اس سے اناج اور  
سبزہ

لِنُخْرِجَ بِمِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۝۱

یعنی : اس بادل سے برسنے والے پانی کے ذریعے ہم نے زمین سے ایسے اناج اگائے جو تمہارے لئے قوت اور غذا ہے، جیسے: گندم، جو وغیرہ۔  
نبات: اس سے مراد چوپایوں کا چارہ، اور سارے کھائے جانے والے پودے ہیں۔

وَجَنَّتِ الْفَأْفَاءُ ﴿۱۶﴾	(تاکہ ہم اگائیں اس جاری پانی کے ذریعے) باغات لپٹے ہوئے اور گھنے (16)
-----------------------------	--

لپٹے ہوئے باغات سے مراد ایسے گھنے باغات ہیں جو پھلوں سے گھرے ہوئے ہوں، یہ ایسی حکمت کے محتاج ہیں کہ کسی چیز سے محروم نہ ہوں، اور ایسی رحمت خواہان ہیں کہ تمام چیزیں کو اپنے اندر جگہ دیں، ایسے باغات ہیں جن میں درخت بہت زیادہ ہوں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور جڑے ہوئے ہوں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حشر و نشر کے وقوع پر واضح طور پر اپنی قدرت کاملہ پر دلالت کرنے والے دلائل ذکر کئے ہیں، کیونکہ جس خالق نے ان اشیاء کی تخلیق فرمائی ہے، وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور قیامت اور حساب و کتاب پر بھی قادر ہے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفِصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿۱۷﴾	بیشک فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے (17)
---	--

روز حساب اور لوگوں کے درمیان فیصلے کا دن خدا کے علم اور تقدیر میں ایک خاص اور معین وقت ہے، اور اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی، قرطبی فرماتے ہیں کہ: اس وجہ سے "یوم الفصل" سے موسوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان قطعی فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اولین اور آخرین کو اکٹھا کرے گا، (قرطبی: 173 / 19)

«یوم الفصل» کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں :

- 1- اس دن اہل کفر اور اہل ایمان کے درمیان فاصلہ بڑھے گا۔
- 2- اس دن لوگوں اور ان کے مظالم کے درمیان فاصلہ آئے گا۔
- 3- "یوم الفصل" کا دن برحق ہے۔
- 4- اس دن لوگوں کو تمام چیزوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

رب تعالیٰ نعمتوں کے ذکر کے بعد "یوم الفصل" کے بارے بحث فرماتے ہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ خود کو دنیا کی نعمتوں میں مشغول نہ رکھو، اور یہ جان لو کہ دنیا کے بعد کیا معاملات آپ کے سامنے آئیں گے، اس کا مقصد انسان کی تنبیہ ہے، پس قیامت، یعنی: حق اور باطل کی جدائی کا دن، مؤمنین اور غیر مؤمنین کی صف کے الگ ہونے کا دن، یہ آئے گا، یہ میقات ہے، یعنی یقینی اور لازمی ہے۔

یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝۱۸	جس دن پھونکا جائے صور میں پھر تم آؤ گے فوج درفوج
--	---

صور: ایک نرسنگھا ہے، جو اسرافیل علیہ السلام کے ذریعہ پھونکا جائیگا، اور اس میں خوفناک آواز ہوگی، (پھر تم آؤ گے فوج درفوج) یعنی: سب جماعت جماعت اور ٹولیوں کی شکل میں ہر امت اپنے پیغمبر کے ساتھ قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں حساب و کتاب کیلئے جمع ہو جائے گی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ: قیامت کے دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک گروہ بھرے پیٹ کے ساتھ لباس میں ملبوس اپنے سواریوں میں سوار ہو کر میدان حشر میں آئے گا، جب کہ دوسرا گروہ پیدل چل کر میدان حشر میں حاضر ہوگا۔

تیسرا گروہ چہرے کے بل کھنچتے ہوئے میدان حشر میں حاضر کیا جائے گا (مظہری نے نسائی اور حاکم و بیہقی کے حوالے سے روایت ذکر کی ہے)۔

بعض روایات میں "افواج" کی تشریح دس گروہوں سے کی گئی ہے یعنی دس قسم کے گروہ ہوں گے، بعض نے کہا ہے کہ حاضرین میدان حشر میں اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے بے شمار گروہوں میں تقسیم ہوں گے، ان اقوال میں کسی بھی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے، سب میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ "3" تین مرتبہ صور پھونکا جائے گا:

- 1- پہلا نفخہ: ڈر اور خوف ہے۔
  - 2- دوسرا نفخہ: موت ہے، سب مرجائیں گے۔
  - 3- تیسرا نفخہ: موت کے بعد سب کا اٹھنا ہے۔
- بعض علماء نفحات کی تعداد کو دو ہی شمار کرتے ہیں:

- 1- ڈر اور موت کا نفخہ۔
- 2- بیدار ہونے اور جاگنے کا نفخہ۔

اور کھولا جائیگا آسمان اور ہونگے اس میں بے شمار دروازے (19)	وَفُتِحَتْ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝۱۹
--	--

جیسا کہ سورہ انشقاق کی آیت (۱) میں فرمایا: «إِذَ السَّمَاءُ انشَقَّتْ»: چونکہ اس کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہے، اس لیے ماضی کا صیغہ "فُتِحَتْ" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، یعنی آسمان میں بہت سارے دروازے کھل جائیں گے تاکہ فرشتے ان سے نیچے اتریں۔

اور چلائے جائیں گے پہاڑ اور ہو جائیں گے چمکتے ہوئے ریت کی طرح	وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝۲۰
---	---

«وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ» پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر حرکت کریں گے، "فَكَانَتْ سَرَابًا" اور پہاڑ بھی سراب بن کر دکھائی دیں گے (سراب پانی جیسا دکھائی دیتا ہے) یعنی: جیسا کہ انسان سراب کو پانی سمجھتا ہے، حالانکہ وہ پانی نہیں ہوتا، پہاڑ بھی ایسے ہی ہوں گے، یعنی: پہاڑ ایک شدید جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ سے اکھڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، اور ہوا میں اڑائے جائیں گے غبار کی طرح کہ دیکھنے والا یہ گمان کریگا کہ وہ پہاڑ ہے، حالانکہ وہ پہاڑ نہیں ہونگے محض غبار ہونگے۔

طبری کہتے ہیں کہ: پہاڑ بعد اس کے کہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور گرد و غبار میں تبدیل ہو جائیں گے، دیکھنے والا اسے پانی ہی سمجھے گا، لیکن حقیقت میں وہ گرد و غبار ہوگی (طبری: 7/3)

بیشک جہنم ایک گہات ہے	إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝۲۱
-----------------------	--

یہاں جہنم سے مراد جسر جہنم ہے، یعنی: پُل صراط، وہاں ثواب و عذاب کے فرشتوں کے دو گروہ انتظار میں ہونگے، عذاب کے فرشتے جہنم والوں کو پکڑ لیں گے، اور ثواب والے فرشتے بہشت والوں کو اپنے مقام پر پہنچائیں گے، (مظہری)۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ: جہنم کے اس پل کی نگرانی پر مقرر فرشتے، جس آدمی کے ہاتھ میں جنت میں جانے کا پروانہ ہوگا، اس کو جانے دینگے، اور جس کے ہاتھ میں یہ اجازت نامہ نہ ہو تو اسے روک لینگے، (مظہری)۔

سرکشوں اور شیریروں کے لیے ٹھکانہ ہے (22)	لِّلطَّاغِيْنَ مَابًاۙ۲۲
---	--------------------------

یعنی : دوزخ کی آگ سرکشوں اور باغیوں کے لیے ٹھکانہ ہے ، کہ ذلت اور رسوائی کے ساتھ اس کی طرف جائیں گے ، جی ہاں ! وہاں پر ان کو عذاب ہوگا اور ذلیل کئے جائیں گے "لِّلطَّاغِيْنَ" اس شخص کے لیے ہے جو خدا کے قانون کی مخالفت کرتا ہے اور خدا کی حدود سے تجاوز کرتا ہے ، اور دین کے اصولوں کا انکار کرتا ہے ، "مَابًا" مرجع ، ٹھکانہ ، لوٹنے کی جگہ ، ماب ایسی جگہ ہے جو باغیوں اور انکار کرنے والوں کا ٹھکانہ ہے ۔

رہینگے اس میں صدیاں	لِّئِيْنٍ فِيْهَاۙ اَحْقَابًاۙ۲۳
---------------------	----------------------------------

باغی اور سرکش لوگ اپنی بغاوت و سرکشی کے انجام سے بے خبر لاپرواہی سے آگے چلیں گے ، وہ نہیں جانتے ہوں گے کہ دوزخ چند قدم آگے ان کے گہات میں ہے ، جس میں صدیوں تک یہ لوگ رہینگے ، یہ چند دن کا قیام گاہ نہیں ہے ، یہ اس وقت سے مطابقت رکھتا ہے کہ اگر ظالم عناصر کو دنیا میں رہنے دیا جائے تو وہ اس میں اپنی سرکشی سے باز نہیں آئیں گے ، انہوں نے ہمیشہ سرکشی میں رہنے کا تہیہ کر رکھا ہے ، اب انہیں جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے ۔

نہ چکھیں گے اس میں مزہ ٹھنڈک کا اور نہ پینے کو کچھ ملے (24)	لَّا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَاۙ بَرْدًاۙ وَّ لَا شَرَابًاۙ۲۴
--	---

یعنی : جہنم میں ٹھنڈا پانی نہیں چکھیں گے کہ آگ کی گرمی کو ہلکا کر دے ، ان کو پینے کی ایسی کوئی چیز نہیں ملے گی کہ ان کی پیاس بجھ جائے ، ان کی کھال جلے گی ، اور پیاسے ہوں گے ۔

مگر گرم پانی اور بھتا پیپ	اِلَّا حَمِيْمًاۙ وَّ غَسَّاقًاۙ۲۵
---------------------------	------------------------------------

حمیم: گرم کھولتا ہوا گندہ پانی ، پیپ اور جہنمیوں کے زخموں کا خون آلود پانی ہے ، " حَمِيْمًا " اس کا مطلب وہ پانی جو اپنی گرمی کے عروج پر ہو ، حُمِيٌّ کا مطلب بخار ہے ، اس لیے کہ بدن کی حرارت اپنی مقدار سے بڑھ جاتا ہے ۔

اور " غَسَاقًا " کا لفظ اصل میں: پیپ ، گندگی ، خون اور وہ تمام رطوبت ہے جو شدید عذاب اور اذیت کی وجہ سے آنکھوں اور جلد سے نکلتی ہے کے لیے بولا جاتا ہے۔

مفسرین نے لفظ " غَسَاق " کے بارے میں مندرجہ ذیل تفاسیر پیش کی ہیں:

1- وہ بدبو دار اور بد مزہ مشروب جو دوزخیوں کے جسم کے پیپ سے نکلتا ہے۔

2- شراب یا بہت ٹھنڈا مشروب جو دانتوں کو توڑتا اور پیستا ہے۔

3- زیادہ ٹھنڈا اور بدمزہ اور بدبودار مشروب۔

جَزَاءٌ وَّفَاقًا۲۶	بدلہ ہے ان کا پورا پورا
---------------------	-------------------------

یعنی : ان کا عذاب ان کے اعمال و کردار کے موافق و مناسبت سے ہوگا، جیسے کہ شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے تو آگ سے بڑا عذاب بھی کوئی نہیں ، جیسے ان کے گناہ ویسے ہی اللہ تعالیٰ ان کے موافق ان کو عذاب چکھائے گا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا۲۷	وہی تھے جو کسی حساب و کتاب کی توقع نہیں رکھتے تھے (27)
--	--

یہ وہ لوگ تھے جو کسی حساب و کتاب کی توقع نہیں رکھتے تھے ، وہ قیامت کا انتظار نہیں کر رہے تھے ، اس پر ایمان نہیں تھا ان کا ، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تو بالکل بھی توقع نہیں کر رہے تھے ، وہ لوگ دنیا میں رہتے ہوئے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حساب و کتاب سے نہیں ڈرتے تھے ، اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر نیک عمل انجام نہیں دیتے تھے ، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے ہمارے مرنے کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا ، حالانکہ رب تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا، بلکہ کم سے کم وہ کام جو اپنے بندوں کے ساتھ کرے گا وہ یہ ہے کہ ان کے اعمال کی سزا تک لازمی ان کو پہنچا دے گا۔

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا۲۸	اور ہماری آیتوں کو سخت جھٹلاتے تھے (28)
------------------------------------	---

یعنی : وہ قرآنی آیات کو اور ان دلائل و براہین کو جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے اپنے بندوں پر نازل کیے تھے انہیں شدت سے جھٹلاتے تھے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝۲۹	ہر چیز کو ہم نے لکھ کر گن رکھا ہے (۲۹)
---	---

یعنی : ہر چیز کو ہم نے لوح محفوظ میں گن گن کر لکھ رکھا ہے ، تاکہ فرشتے اسے پہچانیں ، یا اس سے مراد بندوں کے اعمال ہیں جنہیں فرشتوں نے لکھا ہے۔

فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝۳۰	اب چکھو ہم نہیں بڑھائیں گے تم پر مگر عذاب (30)
--	---

" فَذُوقُوا " سے کفار مخاطب ہیں ، پس چھکو کہ ہم تمہیں اس سے زیادہ عذاب دیں گے ، جیسا کہ سورہ غافر میں فرماتے ہیں : وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَازِنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝۴۹ ترجمہ: " اور (تمام) جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے۔"

مفسرین کہتے ہیں کہ : قرآن کریم میں اہل جہنم کے لیے اس سے سخت اور شدید آیت نہیں آئی ، اس لیے کہ جب بھی عذاب سے خلاصی اور نجات کے لیے کسی کو پکاریں گے تو زیادہ سخت عذاب کا سامنا کریں گے ۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝۳۱	بیشک پرہیزگاروں کیلئے کامیابی ہے (۳۱)
-----------------------------------	--

مفاز: مراد پانا، کامیابی اور دوزخ کی آگ سے نجات ہے ، یا مراد گھومنے پھرنے کی جگہ ہے۔

ابن کثیر نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے ، اس لیے کہ اس کے بعد رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝۳۲	باغیچے اور انگور ہیں (جو پھلدار اور ثمر آور ہیں) (32)
----------------------------	--

«حدائق» ایسے گھنے اور ثمر آور باغات جن میں مختلف اور متنوع درخت ہوں ، یعنی ایسے باغیچے ہیں جو گھنے درخت والے اور انگور کے بیلیں ہیں ، اسی طرح جھکی ہوئی اور نزدیک شاخیں ہیں ، انگور کا ذکر دیگر پھلوں کے بنسبت بے شمار فوائد اور بہترین ذائقے کے باعث کیا ہے ۔

اور جوان عورتیں ایک ہی عمر کی سب (33)	وَكَوَاعِبَ أُنْرَابًا ۝
--	--------------------------

ایک ہی عمر کی نوجوان عورتیں اور نمایاں زنانہ حسن والی ان کے لیے مقرر ہیں ، "التسهیل" میں آیا ہے کہ : کواعب جو کاعب کی جمع ہے ، اس کا مطلب وہ لڑکی ہے جسکا زنانہ حسن بھرپور ہوں ، "أُنْرَابًا" سن و سال اور حسن و جمال میں ایک جیسے ہیں ، "اتراب" جمع ہے ، اور اس کا مفرد "تِزْبٌ" ہے۔

اور پیالے چھلکتے ہوئے لبریز (34)	وَكَأْسًا دِبَاقًا ۝
-------------------------------------	----------------------

جنت کے پاکیزہ شراب سے ، ان کے لیے تیار کیا گیا ہے جس میں نشہ نہیں ہے ، سر درد نہیں کرتا اس کے پینے سے ، پینے والے کو بد مزاج نہیں بناتا ، اس کی عقل کو ختم نہیں کرتا ، اگرچہ یہ بہت لذت والی اور خوش گوار ہے۔

مفسر قرطبی کہتے ہیں کہ : "كَأْسًا" سے مراد شراب ہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ان کے پاس چھلکتا ہوا بھرا جام ہے (قرطبی: 181/19) "كَأْسًا" جام، قرآن کریم میں جب بھی لفظ "كأس" آیا، اس میں شراب ہوگا، "دِبَاقًا" چھلکتا ہوا لبریز ہے، اور یہ خدا کے فضل اور بخشش کا سبب ہے، نہ اتنا زیادہ کہ اس سے گر جائے، بلکہ پیاس کے مطابق جتنی ضرورت ہے اتنی شراب ہے۔

نہ سنیں گے وہاں بیہودہ اور جھوٹی باتیں (35)	لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِدْبًا ۝
--	---

یعنی جنت میں وہ بیکار جھوٹی اور فضول باتیں نہیں سنیں گے ، اس لیے جنت دارالسلام ہے ، اور جو کچھ اس میں ہے باطل اور عیب سے محفوظ ہے ، جنت میں شراب پینے سے انسانوں کی عقل نہیں جاتی ، اور نہ جھوٹی باتیں سنیں گے اور سب اکھٹے بیٹھے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ دلوں سے غم اور بغض و حسد اور پریشانیاں دور کر دیگا، اور جنت میں سب کے سب سلام پیش کرنے اور اچھے گفتگو اور اچھائی و نیکی اور مجالس سے محبت ہوگی، اور عزت و مٹھاس اچھی گفتگو ہوگی۔

نیک جزا ان کو تیرے رب کی طرف سے کفایت کرنے والی (36)	جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۝
---	---

"مَنْ رَبِّكَ" رب کی طرف سے، یہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی دلیل ہے، یہ نیک جزاء اور اچھا بدلہ ان کے پروردگار نے ان کے اعمال کی وجہ سے تیار کیا ہے جو انہوں نے انجام دیئے ہیں، اور نعیم مقیم سیدھے راستے سے وابستگی کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں، رب تعالیٰ نے ان کو بخشش دی ہے اور ان کو بہترین جگہ اور مقام عطا کیا ہے۔

جورب ہے آسمان و زمین کا اور جوکچھ ان کے درمیاں ہے، بڑی رحمت ولا، قدرت نہیں رکھتا کوئی اس سے بات کرنے کی (37)	رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾
جس دن کھڑی ہوگی روح اور فرشتے صف باندھ کر، اور بات نہیں کرسکے گا کوئی، مگر جس کو اجازت دے رحمان، اور وہ ٹھیک بات کہے گا (38)	يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ﴿٣٨﴾ لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: روح وہ فرشتہ ہے جو اپنی پیدائش کے لحاظ سے سب سے بڑے فرشتوں میں شمار ہوتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ روح زمین و آسمانوں سے بڑا فرشتہ ہے۔

نسفی کہتے ہیں: کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ: وہ جبرئیل علیہ السلام ہے۔

ایک قول کے مطابق: روح خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے فرشتہ نہیں ہے۔

دوسرے قول کے مطابق: وہ بنی آدم کی ارواح ہیں جو صف باندھ کر کھڑی ہوں گی، اور فرشتے دوسرے صف میں، یہ عمل

اسرافیل علیہ السلام کے دو پھونکوں کے درمیان ارواح کو جسد کی طرف لوٹائے جانے سے قبل وقوع پذیر ہوگا۔

یہ وہی سچا دن ہے ، پھر جو چاہے بنالے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ (39)	ذَلِكَ الْيَوْمِ الْحَقِّ، فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَا بَاءًا ۝۳۹
---	---

یوم جزا وہ دن ہے جس کا وعدہ سچا ، اس کا وقوع حق، اور اس کا وقت مقرر ہے، پھر ہر کوئی چاہے گا ایسا نیک عمل انجام دے جو خدا کے نزدیک اس کے لیے فائدہ مند ہو ، اور اس کو اللہ تعالیٰ سخت اور مشکل عذاب سے نجات دے۔

« الْيَوْمِ الْحَقِّ » (1) حقیقت واضح ہوگی ، (2) انصاف ہوگا ، " فَمَنْ شَاءَ " تمام اعمال کا اختیار تمہارے پاس ہے قیامت سچ ہے اور ضرور آئے گی اب یہ کہ توبہ کریں اور پلٹ جائیں یا نہیں یہ تم پر منحصر ہے ، " إِلَىٰ رَبِّهِ مَا بَاءًا " نیک عمل کے ساتھ اللہ کے پاس آؤ گے ، " مَا بَاءًا " ایسی اچھی واپسی جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ ہو جس کے ذریعے نجات مل سکتی ہے۔

ہم نے خبرسنادی تم کو ایک عذاب کی نزدیک آنیوالے ، جس دن آدمی دیکھ لیگا جو آگے بھیجا ہے اس کے دونوں ہاتھوں نے اور کہیگا کافر کاش میں مٹی ہوتا (40)	إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا، ۝۴۰ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدُهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ۝۴۰
--	--

ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ چوپایوں کو بدلہ لینے کیلئے زندہ کریگا، جب ایک دوسرے سے بدلہ لے لینگے تو دوبارہ ان کو مٹی میں تبدیل کر دیا جائیگا ، یہ وہ وقت ہوگا کہ کافر بھی ان کی حالت کی سی تمنا و آرزو کرینگے ، جیسا کہ آیت بالا میں مذکور ہوا۔

کفار و مجرمین جس وقت قیامت کا منظر دیکھیں گے اور رب تعالیٰ کی عدالت اور اپنی جزائے اعمال کا مشاہدہ کریں گے تو وہ اپنے ان اعمال کے برعکس اعمال کی آرزو کریں گے اور اپنے اعمال پر افسوس و ندامت کا اظہار کریں گے ، اور اس شدت حسرت میں کبھی کہیں گے : افسوس ہماری حالت پر کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی تھی۔

اور کبھی کہیں گے : بار الہا! ہمیں دنیا میں واپس بھیج دو تاکہ ہم نیک اعمال انجام دیں۔

اور کبھی کہیں گے: کاش ہم مٹی ہوتے کبھی بھی زندہ نہ ہوتے۔

اس بڑے دن میں نیک اور صالح لوگوں کا سب سے بہترین بدلہ یہی ہوگا کہ ان کے اعمال مجسم ان کے ساتھ ہونگے، جی ہاں: انسان اشرف مخلوقات ہے، مگر کافر انسان گناہوں کی وجہ سے اس حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ یہ تمنا کریگا کہ کاش میں کسی بے روح اور کمتر درجے والی موجودات کی صف میں شامل ہوتا۔

### دوزخ والوں کا المناک عذاب

آگ کا عذاب بہت سخت اور ہولناک ہے، جہنم کی آگ کا عذاب ایسا ہے کہ انسان اس سے نجات پانے کیلئے اپنا بہترین سرمایہ بطور فدیہ دینا چاہے گا: (إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَى بِهِ. ○ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ○۹۱) (آل عمران: 91)۔

ترجمہ: (وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اور اسی کفر کی حالت میں دنیا سے چلے جاتے ہیں، اگر زمین بھرسونا ہوتا، جسے وہ فدیہ کے طور پر دے دیں، (اور خود کو چھڑالیں) تو ہرگز ان سے یہ فدیہ

قبول نہیں کیا جائیگا، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور کوئی مددگار نہیں ہے ان کے لیے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: (إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ. ○ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○۳۶) (المائدة: 36)۔

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اگر ہو ان کے پاس جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اور اس کے برابر اور بھی ہو جو بدلہ میں دے دیں عذاب قیامت سے بچنے کیلئے ان سے قبول نہیں کیا جائیگا، اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُوتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَعُ فِي النَّارِ صَبْعَةً ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ فَيَقُولُ لَا وَاللَّهِ يَا رَبِّ» (صحیح مسلم بحوالہ مشکاة المصابیح: 3-102)

جہنمیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائیگا، جسے دنیا میں بہت زیادہ نعمتیں دی گئی تھیں، اور اسے ایک لمحے کے لیے جہنم میں غوطہ دیا جائے گا، اور پھر پوچھا جائے گا! ابن آدم! کیا تم نے کبھی کوئی اچھی چیز دیکھی تھی (دنیا میں) کیا تمہیں کوئی نعمت ملی تھی؟ وہ کہے گا نہیں اللہ کی قسم میرے رب (کبھی دنیا میں نعمت دیکھی ہی نہیں تھی) یہ وہ مختصر سی حالت ہے جس کے مشاہدہ کے بعد کفار دنیا کی تمام لذتوں اور خوشیوں کو بھول جائیں گے، اور بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ لِأَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ أَنَّ لَكَ مَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ كُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ قَالَ: نَعَمْ: قَالَ: فَقَدْ سَأَلْتُكَ مَا هُوَ أَهْوَى مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ) بخاری کتاب الرقاق: باب صفة الجنة والنار، (فتح الباری: 22-416). (مشكاة المصابیح: 3-102).

اللہ تعالیٰ سب سے کم عذاب والے جہنمی سے پوچھے گا کہ زمین میں جو کچھ ہے اگر یہ سب تیرے پاس ہوتا تو اسے توفیہ میں دیتا؟ وہ کہے گا ہاں، رب تعالیٰ فرمائے گا: اس سے کم کا میں نے تم سے کہا تھا، جب کہ تم اپنے باب آدم علیہ السلام پشت میں تھے، میں نے چاہا کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، لیکن تم نے میرے ساتھ شریک ٹھہرایا۔

آگ کی شدت اور خوف انسان کو جہنم کے عذاب سے بچنے کیلئے اپنے تمام دوستوں اور رشتوں کو قربان کرنے کیلئے تیار کر لیگا۔

يُبْصِرُونَهُمْ. ۝ يَوْمَ الْمُجْرِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِذِبْنِي ۝ (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے، (اس روز) گنہگار خواہش کریگا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دیدے (یعنی) اپنے بیٹے)۔

(وَصَاحِبَتِهِمْ وَأَخِيهِ ۝) اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی۔

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝) اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا. ۝ ثُمَّ يُنْحِيهِ ۝ اور جتنے آدمی زمین میں ہیں (غرض) سب (کچھ دیدے) اور اپنے تئیں عذاب سے چھڑالے۔

كَلَّا. ۝ إِنَّهَا لَظَى ۝ (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

نَزَاعَةً لِّلشُّوٰى ۝۱۶ (کہال ادھیڑ دانے والی) (سورة المعارج : 11-16)۔

ایک گنہگار شخص کی یہ خواہش ہوگی کہ وہ اس دن کے عذاب سے نجات کیلئے اپنے بیٹوں کو بدلہ میں دیدے: اسی طرح اپنی بیوی اور بھائی کو بھی، نیز اپنے رشتہ داروں اور قبیلہ اور خاندان کے لوگوں کو بھی فدیہ کے طور پر دیدے جنہوں نے اسے پناہ دی، حتیٰ کہ تمام لوگوں کو جو زمین میں رہتے تھے، (سب کو قربان کر دے) اور اسے نجات مل جائے ہرگز نہیں: (یہ تمنایں اور خواہشیں کبھی بھی پوری نہیں کی جائیں گی، اور کوئی فدیہ اور قربانی قبول نہیں کی جائیگی)۔

یہ شعلوں سے بھری ہوئی آگ جہنم ہے، یہ جسم سے جلد کو چھیل دیتی ہے، اور اسے دور کر دیتی ہے، جی ہاں، یہ ہولناک اور بے درپے عذاب ان گنہگاروں کی زندگیوں کو ہمیشہ کے لیے اور بغیر کسی وقفہ کے تلخ اور بے سکون وبے آرام بنا دے گا۔

### چھ دن میں کائنات کی تخلیق

سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کی آیات میں مذکور چھ دن میں کائنات کی تخلیق سے کیا مراد ہے؟ یہ بحث قرآن کریم کی سات آیات میں آئی ہے، لیکن تین جگہ آسمان و زمین کے علاوہ (وما بینہما) کا بھی اضافہ ہوا ہے، کہ حقیقت میں یہ پہلے جملے کی وضاحت ہے، اس لیے کہ یہ سب آسمان و زمین والے اس معنی میں شامل ہیں۔

کیونکہ آسمان میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو کہ بلندیوں میں ہیں، اور زمین میں اس کے مقابل میں نچلی والی اشیاء شامل ہیں۔

لفظ «یوم» کے مفہوم پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، دیگر زبانوں میں اس کے متبادل جو لفظ آتے ہیں، وہ تو معلوم ہیں (کہ اس کا معنی دن یا دن رات کا کیا جاتا ہے) مگر اکثر اس کا استعمال ایک دور کے لیے ہوتا ہے چاہے یہ دور ایک سال کا ہو یا ایک صدی کا، یا ہزاروں لاکھوں سال کا، قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے کہ لفظ یوم اور ایام صرف دن رات کے لیے استعمال نہیں ہوتے، مثلاً قیامت کے لیے لفظ "یوم القیامة" آیا ہے، حالانکہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ قیامت ایک طویل مدت ہوگی، مگر اسے یوم القیامة، قیامت کا دن کہا گیا ہے، جبکہ قرآن سے ہی ثابت ہے کہ روز قیامت جہاں اعمال کا حساب کتاب ہوگا وہ پچاس

ہزار سال طویل دن ہوگا، لغت میں بھی کبھی لفظ یوم سورج کے طلوع و غروب کے درمیان کے دورانیہ کو کہا گیا ہے، اور زمانے کو بھی کہا گیا ہے چاہے اس کی مدت کتنی بھی ہو۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو لگاتار چھ ادوار میں تخلیق کیا، حالانکہ یہ ادوار لاکھوں یا اربوں سال پر محیط تھی، سورہ دخان کی آیت (9-12) کے مطابق یہ چھ ادوار درج ذیل ہیں۔

1- وہ دن جب پوری کائنات گیس کے ایک بڑے گولے کی شکل میں تھی جو گردش کرتی ہوئی اپنے مدار سے خود کبھی الگ ہوئی اور دیگر کروں کو بھی تشکیل دیدیا۔

2- یہ کرے رفتہ رفتہ مائع چیز کی شکل اور چمکدار یا ٹھنڈی اور رہنے کے قابل بنتے گئے۔

3- ایک اور دور میں نظام شمسی تشکیل پا گیا، اور زمین سورج سے الگ ہو گئی۔

4- دوسرے دور میں زمین ٹھنڈی اور زندگی کیلئے تیار ہو گئی۔

5- اس کے بعد زمین میں گھاس اور درخت نمودار ہو گئے۔

6- آخر کار کہ جب زمین پر حیوان اور انسان نمودار ہو گئے۔

البتہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ایک لمحے میں کیوں نہیں بنایا، اس کے باوجود کہ اپنی بے انتہا قدرت کے ساتھ زمین و آسمان کو ایک لمحے میں بنا سکتا تھا، پھر کیوں ان دونوں کو طویل ادوار میں بنایا؟ ایک اہم نکتہ اس سوال کے جواب میں یہ ہے کہ اگر تخلیق اس دنیا کی ایک لمحے میں ہوتی تو خالق کی عظمت و علم و قدرت کی حکایت پر کم دلالت کرتی، لیکن جب مختلف مرحلوں میں، اور طرح طرح کی چیزوں اور انسانی چہروں اور حیوانات کی شکلوں کو باقاعدہ اور حسابی منصوبوں کے مطابق انجام دیا تو یہ بہت واضح اور روشن دلیل ہوگی خالق کے پہچانے کی۔

مثلاً اگر انسان کا نطفہ ایک لمحے میں ایک مکمل نوزائیدہ بچہ بن جاتا ہے، تو یہ خلقت عظمت کو اس حد تک نمایاں نہیں کر سکتی جیسا ہونا چاہیئے تھا، لیکن جب نو (9) مہینے میں ہر دن ایک مرحلے اور ہر مہینہ مختلف اشکال میں ظاہر ہوتا جاتا ہے تو یہ جتنے مراحل سے گذرتا ہے اسی حساب سے خالق کی تخلیق کے عظیم اور تازہ نشانیاں نمایاں کرتا رہتا ہے۔ دراصل اس دنیا کی تخلیق مرحلہ وار ہوئی ہے، یہ مرحلہ وار قانون عقلی و طبیعی قانون کے قدم بہ قدم مطابق اور یکساں ہے، اور عقلاء نے بھی اس قانون کو قبول

اور پسند کیا ہے، البتہ اس بحث اور تحقیق کے دروازے اب بھی کھلے ہیں، اس کے متعلق تحقیق کے دروازے بند نہیں ہوئے۔

بہ ہر صورت دنیا کی تخلیق اور فطرت کو طبیعی قانون کے ساتھ یکساں ہونا چاہیے، اگرچہ خدا تعالیٰ کی قدرت و ارادہ "کن فیکون" کا ہے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہ کہ رب تعالیٰ بھی "کن فیکون" رہے، اور دنیا کی تخلیق بھی طبیعی و عقلی قانون کے ساتھ قدم بقدم مطابق اور یکساں رہے۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم

**Get more e-books from [www.ketabton.com](http://www.ketabton.com)  
Ketabton.com: The Digital Library**